محمود الحسن بزمی *

کلامِ بلھے شاہ کے منظوم اُردو تراجم

بلھے شاہ پنجابی شاعری میں ایک اہم نام تو ہے ہی اس کے ساتھ ساتھ پنجابی تہذیب و معاشرت اور صوفیانہ سلسلۂ قادریہ کی ایک اہم شخصیت بھی ہیں۔ یوں بلھے شاہ ہمارے لیے کئی حیثیتوں سے اہم ہو جاتے ہیں دیگر معروف صوفی شعرا کی طرح وہ بھی اپنے دور کے متداول علوم پر حاوی تھے لیکن انہوں نے شاعری کے لیے پنجابی زبان کو چنا بلکہ کافی کی صنف کو بہت وسعت عطا کر دی۔ اس میں نہ صرف مضامین تصوف کو موضوع سخن بنایا بلکہ اپنے عہد کی مذہبی، سیاسی، سماجی اور اقتصادی صورت حال کی نہایت سچی تصویر کشی کی۔ چونکہ بلھے شاہ کا عہد ایک پُر آشوب عہد ہے اور زوال و انحطاط اور اخلاقی پستی، مذہبی استحصال اور سماجی طور پر ٹوٹتے بکھرتے دور میں حساس اور دردمند شخصیات خاموش نہیں رہ سکتیں۔ بلھے شاہ کے کلام میں ان کے اپنے عہد کے بارے میں بہت سی باتیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ بلھے شاہ پنجابی کے ایسے شاعر ہیں جن کی زبان اردو کے سب سے زیادہ قریب تر ہے ان کی لفاظی اور تراکیب کو اردو زبان کے الفاظ و تراکیب میں بدلنا مشکل نظر نہیں آتا حتیٰ کہ بعض ترجمہ نگار بلھے شاہ کے پورے کے پورے مصرعے اردو میں دہرا دیتے ہیں۔ بلھے شاہ کے کلام سے صرف چند مثالیں پیش خدمت ہیں وگرنہ ان کے ہاں کافیوں کی کافیاں بھری پڑی ہیں:

بنیاد جلد دوم شمارہ:۲، ۲۰۱۲ء

ہوری کھیلوں گی کہہ بسم اللہ

تیرے عشق نچایا کر کے تھیّا تھیّا　　تیرے عشق نے ڈیرا میرے اندر کیتا

جن کے پیا پردیش سدھائے　　ایہہ دُکھ جا کہوں کس جائے

اب ہم ایسے گم ہوئے　　پریم نگر کے شہر

ہارسنگار کو آگ لگاؤں / ٹک بوجھ کون چھپ آیا ہے / بے چُونی سے چُون بنایا

سنو تم عشق کی بازی، ملائک ہوں کہاں راضی

مہورت پوچھ کر جاؤں، ساجن کا دیکھنے

پاؤں شک رنجی کو کیا کیجئے گا من بھانا سودا لیجئے گا

اوہ بے وس کر دکھلایا ہے نشہ رُوم رُوم میں آیا ہے

ایک بات اور قابل ذکر ہے کہ بلھے شاہ نے اگرچہ کافیاں لکھیں ہیں اور خوب لکھی ہیں مگر ان کا سارا کلام کافیاں نہیں بلکہ اس میں نظمیں بھی ہیں۔

جب ہم بلھے شاہ کے کلام کے منظوم اردو تراجم کا جائزہ لیتے ہیں تو سب سے پہلے ہمیں شفقت تنویر مرزا کا بلھے شاہ کی ایک کافی ''نین سیج'' کا منظوم اردو ترجمہ ماہ نو (کراچی) کے مارچ ۱۹۵۶ء کے شمارے میں نظر آتا ہے۔اس لحاظ سے شفقت تنویر مرزا بلھے شاہ کے پہلے جزوی ترجمہ نگار ٹھہرتے ہیں۔ان کے بعد خیابان پاک (اگست ۱۹۵۶ء) کے حوالے سے حفیظ ہوشیار پوری اور شہاب رفعت کی کاوش نظر آتی ہے۔حفیظ ہوشیار پوری نے بلھے شاہ کی ایک کافی ''میری بغل میں چور'' (''میری بُکل دے وچ چور'') اور شہاب رفعت نے کافی ''منہ آئی بات نہ رہندی اے'' کا ترجمہ ''سوزِ دروں'' کے نام سے کیا ہے جو ص ۹۷ پر موجود ہے۔اس کے بعد شفیع عقیل آتے ہیں جنھوں نے پنجاب رنگ (۱۹۶۸ء) میں بلھے شاہ کی دو کافیوں ''علم سے بس کر دے اے یار'' اور ''عشق کی ہر دم نئی بہار'' کا منظوم اردو ترجمہ کیا ہے۔پہلی کافی کے ۱۵ بند اور

دوسری کے ۷ بند ہیں۔اس سلسلے میں سرور مجاز کا نام بھی قابل ذکر ہے جنھوں نے بلھے شاہ کی ۳۳ کافیوں (بعض مکمل اور بعض کے منتخب بند) کو اردو نظم میں منتقل کیا۔ان کی کتاب بُکل (بابا بلھے شاہ کی کافیوں کا منظوم اردو ترجمہ) کے نام سے موجود ہے۔اس ایڈیشن میں کہیں بھی ذکر نہیں ہے کہ یہ کونسی اشاعت ہے؟ اور یہ کس سال شائع ہوئی البتہ کتاب کے اندر ''تعارف'' کے عنوان سے ڈاکٹر نذیر احمد کی تحریر موجود ہے جس کے صفحہ نمبر ۶ پر انہوں نے لکھا ہے:

> خدا کی پناہ اس کے بعد وہ طوائف الملوکی چلی کہ آئے دن وزارتیں اور حکومتیں بدلتی رہیں پھر فوجی آمروں نے وہ من مانیاں کیں کہ لوگ الامان اور الحفیظ پکار اُٹھے ہمسایہ ملک سے دو بلکہ تین جنگیں لڑی گئیں جن میں شہری خواہ مخواہ لپیٹ میں آتے رہے۔(۱)

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوستان سے پہلی جنگ ۱۹۴۸ء، دوسری ۱۹۶۵ء اور تیسری ۱۹۷۱ء میں ہوئی اس طرح اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ ۱۹۷۲ء یا ۱۹۷۳ء کے آس پاس کا زمانہ ہوسکتا ہے۔سرور مجاز کے بعد عبدالمجید بھٹی آتے ہیں جنھوں نے بلھے شاہ کے نسبتاً ضخیم انتخاب کو اردو نظم میں ڈھالا۔یہ منظوم ترجمہ کافیاں بلھے شاہ مع منظوم اردو ترجمہ کے نام سے لوک ورثے کا قومی ادارہ اسلام آباد کے زیر اہتمام جون ۱۹۷۵ء میں شائع ہوا۔اس کی دوسری اشاعت ۱۹۸۰ء، تیسری ۱۹۸۷ء اور چوتھی ۱۹۹۷ء میں منظر عام پر آئی۔اس میں ۹۴ کافیوں کا ترجمہ دیا گیا ہے۔ان کے بعد شریف کنجاہی کا ترجمہ ''بلھے شاہ کی ایک کافی'' کے عنوان سے ان کی کتاب پنجابی شاعری میں شامل ہے۔بلھے شاہ کے کلام کے منظوم تراجم کے حوالے سے آخری اور قابل ذکر نام علی اکبر عباس کا ہے جنھوں نے بلھے شاہ کا کلام کے نام سے ۱۹۸۹ء میں کتاب شائع کروائی۔اسے پنجاب کونسل آف دی آرٹس لاہور نے نہایت دیدہ زیب سرورق کے ساتھ شائع کیا اس کا کاغذ اور چھپائی بھی قابل تعریف ہے۔بلھے شاہ کے پہلے جزوی ترجمہ نگار ہونے کا اعزاز شفقت تنویر مرزا کو اور کتابی صورت میں پہلے ترجمہ نگار کا اعزاز سرور مجاز کو حاصل ہے۔اگر ان مترجمین کے تراجم کو ذہن میں رکھا جائے تو مختلف کتابوں کی تحقیقات، امتیازات

علیحدہ علیحدہ دکھائی دیں گے مثلاً شفیع عقیل نے بہت سے شعرا کو اردو نظم میں منتقل کیا لیکن انہوں نے اصل پنجابی کلام کو اپنی کتاب میں جگہ نہیں دی اسی طرح حفیظ ہوشیار پوری اور شہاب رفعت نے بھی پنجابی متن شامل نہیں کیا، سرور مجاز نے بلھے شاہ کے کلام کا منظوم اردو ترجمہ اپنی کتاب کے حصہ اول کے ص ۱۸ تا ص ۷۷ تک دیا ہے جبکہ ص ۸۷ سے ص ۱۲۸ تک پنجابی کلام ہے البتہ اس میں ایک مشکل پیدا ہوتی ہے کہ ان کی کافیاں جو اردو نظم میں ہیں ان کے مقابل کی پنجابی کافیوں کی دوسرے حصے میں ترتیب ادل بدل ہوگئی ہے۔ جس سے تحقیقی وتنقیدی مطالعہ میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے جبکہ عبدالمجید بھٹی نے یہ اہتمام رکھا ہے کہ ایک صفحے پر پنجابی متن اور دوسرے صفحے پر ترجمہ منظوم اردو میں پیش کیا۔

ان تراجم میں ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ علی اکبر عباس کے سوا کسی مترجم نے یہ بات واضح نہیں کی کہ اس کے پیش نظر بلھے شاہ کے کلام کا کون سا نسخہ رہا ہے! علی اکبر عباس نے ترجمے کے لیے ڈاکٹر نذیر احمد کا تدوین کردہ کلام بلھے شاہ کا نسخہ سَند مانا ہے۔ اس بات کی ضرورت اس بنیاد پر زیادہ شدید ہو جاتی ہے کہ بلھے شاہ کے کلام کے بہت سے نسخے چھپ کر منظر عام پر آ چکے ہیں۔ ان نسخوں میں اشعار میں موجود الفاظ اور بندوں کی ترتیب میں بہت سے اختلافات ہیں اس لیے اگر سنجیدگی سے ترجمہ نگاروں کی سعی پہ بحث کی جائے تو اس کا حق کما حقہ ادا نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ہمیں معلوم ہی نہیں کہ ان کے سامنے کون سا نسخہ تھا اور لفظ کیا تھا بند کتنے تھے؟ وغیرہ وغیرہ۔

بلھے شاہ کے کلام کے اب تک جو منظوم اردو تراجم ہوئے یا حاصل ہو سکے اور جن کا تعارف پیش کیا گیا ہے اب ذیل میں مکمل کوائف کے ساتھ ان کی فہرست پیشِ خدمت ہے۔ (۲) کتابی صورت میں چھپنے والے تین تراجم کو زمانی ترتیب سے پہلے رکھا ہے اس کے بعد جزوی ترجمہ نگاروں کے ترجموں کو بھی زمانی ترتیب سے پیش کیا جاتا ہے۔

اب تک کے دستیاب مواد اور تحقیق وتلاش سے بلھے شاہ کے کلام کے مذکورہ بالا جو منظوم اردو تراجم سامنے آئے ہیں ان میں سے عبدالمجید بھٹی کا نام زیادہ اہم ہے کیونکہ انہوں نے دوسرے ترجمہ نگاروں کی نسبت سب سے زیادہ یعنی ۹۴ کافیوں کا ترجمہ کیا ہے۔ ان تراجم کے

تجزیے کے لیے لغت کی کتابوں کے علاوہ بلھے شاہ کے کلام کے یا نثری تراجم اور شرحوں کے جن ایڈیشنوں سے مدد لی گئی ہے، انہیں حواشی میں درج کر دیا گیا ہے۔ (۳)

اب ہم تمام مترجمین کے منظوم تراجم کا فرداً فرداً جائزہ لیتے ہیں تاکہ ان کے تمام محاسن ومعائب بخوبی سامنے آسکیں۔ اس مضمون میں حوالہ صرف وہاں دیا جائے گا جہاں کسی کتاب کا اقتباس نقل کیا ہے۔ پنجابی متن اور اس کے منظوم ترجمے کے جائزے کے لیے پیش کردہ مثالوں کے ساتھ ہی صرف صفحہ نمبر لکھ کر حوالہ دے دیا ہے کیونکہ ان تمام حوالوں کو آخر میں الگ سے لکھنے کا مطلب ہے کہ خواہ مخواہ ایک طویل فہرست کے ذریعے کئی صفحات ضائع کیے جاتے۔ جس ترجمہ نگار کا جائزہ لیا جا رہا ہے ہوگا اس کی مثالوں میں اسی کی کتاب کا حوالہ سمجھا جائے۔ جزوی ترجموں کو اس جائزے میں شامل نہیں رکھا صرف تین ترجمہ نگار جنھوں نے کتابی صورت میں کیا صرف انھیں کا جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

سرور مجاز کی کتاب بُکل کے نام سے شائع ہوئی جس میں بابا بلھے شاہ کی کا منظوم اردو ترجمہ ہے۔ اس میں ۳۳ کافیوں کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ کتاب کا انتساب ''صوفی شعرا کے کلام سے درسِ اخوت حاصل کرنے والوں اور تعمیر وطن کے متوالوں کے نام'' کیا گیا ہے۔ تعارف سے پہلے ناشر کی طرف سے ایک اعلان ہے کہ ''زیر نظر کتاب میں اردو اور پنجابی کافیوں کی ترتیب روایتی انداز سے نہیں کی گئی اور پنجابی حصے کو آخر میں شامل کرنے سے بعض آخری پنجابی کافیوں کی ترتیب میں فرق پڑا ہے۔ جسے دوسرے ایڈیشن میں کافیوں کی تعداد میں اضافے کے ساتھ صحیح کر دیا جائے گا۔

کتاب کا تعارف ڈاکٹر نذیر احمد نے لکھا ہے جو صفحہ نمبر ۵ سے ۹ تک دیا گیا ہے جس مین انھوں نے بلھے شاہ کے آبائی علاقے، حالات، واقعات، ان کے فکر وفن، زبان اسلوب کے بارے میں اظہار خیال کیا ہے۔ انھوں نے بلھے شاہ کے کلام کو اردو زبان، بولنے سمجھنے والے لوگوں تک پہنچانے کی ضرورت کی طرف توجہ دلائی ہے۔

سرور مجاز کی ترجمہ نگاری کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے ڈاکٹر نذیر احمد لکھتے ہیں:

مجاز صاحب پنجابی صوفی شعراء کے ماضی الضمیر کو اردو کا جامہ پہنانے میں یدِ طولےٰ رکھتے ہیں اور اس سے پہلے حضرت سلطان باہوؒ کی ابیات کا ترجمہ کر کے اہل نظر سے داد حاصل کر چکے ہیں۔ (۴)

صفحہ نمبر ۱۰ سے لے کر ۱۲ تک بلھے شاہ کی حیاتی اور ان کے کلام کے مرتبین کے بارے میں مختصر آرا ہیں۔ یہ تحریر شاید سرور مجاز کی ہی ہے لیکن اس کے نیچے نام نہیں دیا گیا۔ صفحہ ۱۳ سے ۱۷ تک سرور مجاز نے کلام بُلھّے شاہ کے ملنے والے مختلف نسخوں کے متن میں پائے جانے والے اختلافات کے بارے میں بتایا ہے۔ ان کے خیال میں تمام صوفی شعرا کی مرکزی فکر ایک ہے وہ عشق و محبت کے رنگ میں دلجوئی، اشک شوئی اور انسان دوستی کا درس دیتے ہیں۔ اس تحریر میں اپنے ترجمے کے بارے میں سرور مجاز نے دو بنیادی باتیں کی ہیں جو انہی کے الفاظ میں بیان کی جاتی ہیں:

میں نے بابا بلھے شاہ کی ۴۳ کافیوں کا منظوم اردو ترجمہ کیا ہے اور ہر کافی کا مطالعہ مختلف کتب سے کیا ہے، مگر ہر کتاب میں الفاظ کا ردو بدل پایا گیا۔ مشکل الفاظ کے معانی کا حصہ خاص طور پر الگ نہیں کیا گیا۔ اکثر کافیوں کو بحور سے خارج پایا بلکہ یوں کہنا مناسب ہوگا کہ موسیقی کے رنگ میں سُر، طرز یا ''رہا'' کی بنیاد پر تو یہ کافیاں کھینچ تان کے ماتروں میں آ جاتی ہوں گی مگر شعری بحور کے ناپ تول پر ان کے بارے میں نہایت تکلیف دہ پہلو سامنے آتا ہے۔ (۵)

اپنے ترجمے کے بارے میں انہوں نے دوسری بات یہ کہی ہے کہ:

اردو زبان کے فروغ کے مقصد اور کلام کے مضمون کو تحفظ دینے کی غرض سے کیفیت و سرور کو ترجیح دیتے ہوئے بیشتر پنجابی الفاظ کو من و عن سجایا گیا ہے۔ (۶)

سرور مجاز کے منظوم ترجمے کے مطالعہ کے دوران یہ چیز سامنے آئی ہے کہ انہوں نے اکثر پنجابی الفاظ، تراکیب بلکہ بعض اوقات تو پورے کا پورا مصرع ہی دُہرا دیا ہے۔

سرور مجاز نے چونکہ آخر میں اپنا مرتب کردہ یا تصیح کردہ متن دیا ہے اس لیے اسی متن کے ساتھ ترجمے کا موازنہ کیا جائے گا۔

یہ بات نہایت معذرت سے کہی جاتی ہے کہ اگرچہ سرور مجاز بعض کافیوں کے بعض بندوں کا درست ترجمہ کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں اور مفہوم کو حتی الوسع اردو زبان میں منتقل کر سکے ہیں لیکن تقریباً اسی فیصد کافیاں ایسی ہیں جن میں وہ باوجود اپنے پسندیدہ متن کے اختیار کرنے کے کافی کے بعض مصرعوں کا ترجمہ کرتے ہوئے اصل سے ہٹ گئے ہیں۔ ملاحظے کے لیے بلھے شاہ کی پہلی کافی کے ترجمے کا جائزہ پیشِ خدمت ہے۔ پہلے پنجابی متن اور پھر منظوم اردو ترجمہ دیا جائے گا:

(۱) پنجابی متن: میری بُکّل دے وچ چور نی میری بکل دے وچ چور
کیہنوں کُوک سُناواں نی میری بُکل دے وچ چور
چوری چوری نکل گیا جگ وچ پے گیا شور
مسلمان سویاں تے ڈردے ہندو ڈر دے گور
دونوں ایسے دیوچ مردے ایہو دوہاں دی کھور
کِتے رام داس کِتے فتح محمد ایہو قدیمی شور
مٹ گیا دوہاں دا جھگڑا بُکل پیا کجھ ہور
عرش منوّر ملیاں بانگاں سُنیاں تخت لاہور
شاہ عنایت کُنڈیاں پایاں لُک چھپ کھچد اڈور
میری بکل دے وچ چور نی میری بُکل دے وچ چور (ص:۷۷)

منظوم ترجمہ: مری بُکّل میں ہے چور چھپا مری بُکّل میں ہے چور
کس کو کُوک سناؤں اپنی بُکّل میں ہے چور
چوری چوری بھاگ گیا وہ جگ میں پڑ گیا شور
کہیں برہمن شیخ کہیں پر یہی پُرانا شور

ختم ہوا دونوں کا جھگڑا دونوں ہی تھے کور
دونوں کی ہے ایک ہی منزل اک جاگیں اک سوئیں
کیا ہندو کیا مومن آخر دونوں جائیں گور
عرش پہ گونجیں خوب اذانیں جا پہنچیں لاہور
شاہ عنایت کے کیا کہنے چھپ چھپ کھینچے ڈور
میری بُکّل میں ہے چور چھپا مری بُکّل میں ہے چور (ص:۱۸)

پوری کافی دینے کا مقصد صرف یہ ہے کہ اندازہ ہو سکے کہ سرور مجاز کس طرح اپنے ہی مرتب کردہ بلھے شاہ کے پنجابی متن کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ بغور مطالعہ سے حاصل شدہ ہمارے نتائج کچھ اس طرح ہیں:

— پہلے تینوں مصرعوں یعنی ٹیپ کا مصرع اور پہلے بند کے دونوں مصرعوں کا درست ترجمہ کیا ہے۔

— ترجمے کا دوسرا بند پنجابی متن میں تیسرا بند ہے جبکہ ترجمے کا دوسرا بند پنجابی متن میں تیسرا بند ہے۔

— ترجمے کے دوسرے بند میں رام داس، فتح محمد نام چھوڑ کر عمومی طور پر ہندو اور شیخ (مسلم) مراد لیے ہیں پہلے اور دوسرے آدھے مصرعے کا ترجمہ ٹھیک کیا ہے جبکہ ''نکل پیا کجھ ہور'' کے لیے ''دونوں ہی تھے کور'' استعمال کیا ہے۔ جو اصل متن کے مفہوم کو ادا نہیں کرتا۔

— پھر ترجمہ نگار تیسرے بند میں پہلے مصرعے کو بالکل سمجھ نہیں پائے ''مسلمان سویاں توں ڈردے ہندو ڈردے گور'' میں ''سویاں'' سے مُراد مُردے، چتا کا مسان پہ جلانا اور گور سے مراد قبر ہے اور دونوں ہی اپنے مذہبی تفاوت کی بنا پر ان سے خوفزدہ رہتے ہیں۔ سرور مجاز نے اس مصرعے کا ترجمہ ''دونوں کی ایک ہی منزل اک جاگ ہیں اک سوئیں'' کیا ہے جو غلط ہے پھر دوسرے مصرعے میں دونوں کو قبر میں لے گئے ہیں حالانکہ ''کھور'' سے مراد دشمنی عناد اور نہ ختم ہونے والا جھگڑا ہے۔

— چوتھے بند کا ترجمہ کسی حد تک درست ہے البتہ پنجابی متن میں ''کنڈیاں پائیاں'' کو واضح نہیں کر سکے۔

اس کافی کے مطالعہ سے اخذ شدہ نتائج کے مطابق اس پورے ترجمے میں تقریباً یہی

صورت حال ہے۔ سرور مجاز کے ترجمے سے اب کچھ مزید اس نوعیت کی غلط ترجمے کی مثالیں اختصار کے ساتھ ملاحظہ ہوں:

(۲) پنجابی متن: گھر وچ ہو دردان کڑے (ص:۱۱۰)

ترجمہ: گھر میں ہے مال دھرا (ص:۵۳)

''دردان'' کی بجائے اصل لفظ ہے ''پردھان'' بمعنی عزت والی جو کام کاج کر کے سب کی عزت حاصل کرتی ہے۔ متن کی غلطی نے ترجمے کو بھی غلط کر دیا۔

(۳) پنجابی متن: اُچی نظر پھریں ہنکاری
وچ اپنے شان گمان کڑے (ص:۱۱۰)

ترجمہ: تیری نظروں میں ہے خواری
اندر سے تو جھانک بھلا (ص:۵۳)

''ہنکاری'' سے مراد مغرور، ترجمہ نگار نے غلط طور پر اس کے معنی ''خواری'' لکھے اور ترجمہ غلط کر دیا۔ خواری اور اندر جھانکنا دونوں مصرعے غلط ہیں۔

(۴) پنجابی متن: تاں میں قدر محنت دا پایا
جد ہویا کم آسان کڑے (ص:۱۱۰)

ترجمہ: راز پھر اس کا میں نے پایا
کام بہت آسان ہوا (ص:۵۴)

اصل کا مطلب کہ میں نے زندگی بھر جو محنت مشقت کی اس کا مجھے اجر اور شاباش ملی اور نجات آسان ہوگئی تب مجھے محنت کی قدر و منزلت کا اندازہ ہوا۔ مجاز کے ترجمے میں یہ بات نہیں آسکی۔

(۵) پنجابی متن: ڈھوں دی توں رجک وہونی
ہن کیوں پھرنی ایں نموجھانی (ص:۱۱۱)

ترجمہ: اپنی لاج نہ رکھی تونے
شکل بنالی بھولی تونے (ص:۵۵)

جب لڑکیاں سوت کاتتی ہیں۔ پھر من پسند ملبوسات بنوانے کے لیے، من پسند رنگ رنگوانے کی غرض سے ملاریے کے پاس جاتی ہیں اور جو سوت نہیں کاتتیں وہ ''رجک وہونی'' کہلاتی ہیں۔ ''نموجھانی'' سے مراد اُداس، شرمندہ ہے نہ کہ بھولی بھالی۔

(۶) پنجابی متن: کرمدت پار لنگھاوے گا
اوہ بلھے دا سلطان کُڑے (ص:۱۱۳)

ترجمہ: یار ہی پار اُتارے گا
بلھے کا سلطان بڑا (ص:۵۶)

یہاں پنجابی متن میں غلط فہمی کی بنا پر ''پار'' کو ''یار'' سمجھ لیا ہے ''کرمدّت'' بمعنی مدد کرنا کے ہیں یعنی مدد کر کے پار اُتار دے گا۔ کون؟ یعنی بلھے شاہ کا حاکم (مالک حقیقی) سلطان۔ سرور مجاز اس مفہوم کو ادا نہیں کر پائے۔

(۷) پنجابی متن: جھبدے آویں وے طبیبا نہیں تے میں مرگیاں (ص:۱۱۴)

ترجمہ: آپ نہیں تو چھب دکھلا جا (ص:۱۹)

''جھب آنے'' کا مطلب ''جلدی آنا'' ہے یعنی اے طبیب (محبوب) میری خبر لینے جلد آ جاؤ۔ ترجمے میں اس کے برعکس اور ہی مفہوم بیان ہوا ہے۔

(۸) پنجابی متن: بُلھے شوہ بن کوئی تا ہیں

اتھے اوتھے دوہیں سرائیں
سنبھل سنبھل قدم ٹکائیں (ص:۱۰۳)

ترجمہ: ہے بلھے شہ بن کون بھلا
ہمدرد ترا غم خوار ترا
کچھ سوچ سمجھ کو کام میں لا (ص:۲۹)

اصل متن میں بلھے شاہ اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ ''شوہ'' (محبوب) کے بغیر اس دنیا اور اُس جہان میں کوئی (مددگار) نہیں ہے۔ اس لیے تم سنبھل کر چلو۔ مجاز کے نزدیک بلھے شاہ کے بغیر کوئی نہیں ہے جو بالکل غلط ہے۔ یعنی انہوں نے ''شوہ'' کو شہ (شاہ یعنی بلھے شاہ) سمجھا جس سے ترجمہ غلط ہو گیا۔ مجاز کے ترجمے میں یہی غلطی اگلی دو مثالوں میں بھی ملاحظہ ہو۔

(۹) پنجابی متن: بُلھا شوہ دے پیریں پڑیئے
غفلت چھوڑ کجھ حیلہ کریئے
مِرگ جتن بن کھیت اجاڑے (ص:۹۷)

ترجمہ: بلھے شاہ کے پیر پڑیں اب
غفلت سے بس دور رہیں اب
موت کے آگے کتنے ہارے (ص:۴۴)

شاعر کے مطابق یہ ہے کہ اے بلھے شاہ ''شوہ'' (محبوب) کے پاؤں میں پڑ کر معافی مانگ اور آگے سے غفلت چھوڑ کر محنت اور تدبیر شروع کرتا کہ ہرن (مِرگ، شیطان) سے بچ سکیں کیونکہ کاوش وکوشش کے بغیر وہ فصل اجاڑ دے گا برباد کر دے گا۔ مجاز کا ترجمہ بالکل غلط ہے۔ وہ یہاں بھی ''شوہ'' (محبوب) سے خود بلھے شاہ مراد لیتے ہیں اور مِرگ کو مرگ بمعنی موت باندھ گئے ہیں۔

(۱۰) پنجابی متن: بلھا شوہ دا عشق بگھیلا

رَت پیندا گوشت چڑدا

ترجمہ: بلھے شاہ کا عشق نرالا

رات پڑے تو گوشت نوالا (ص:۴۷)

سرور مجاز نے ترجمہ کیا ہے مگر پنجابی متن میں یہ بند شامل نہیں کیا شاید سہواً رہ گیا ہے بہر حال اس کے ادراک میں اُن سے بڑی غلطی ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو آصف خاں ''آکھیا بلھے شاہ نے'' ص ۲۷۳، ڈاکٹر نذیر ''کلام بلھے شاہ'' ص ۱۵۹ اور شریف صابر، ''بلھے شاہ مکمل کافیاں''، کافی ۹۲ ص ۱۴۲۔ ''بگھیلا'' (باگھ یعنی شیر کا بچہ جو شکار کرتا ہے ''رَت'' یعنی لہو مُراد ہے۔ جبکہ ترجمہ نگار اسے ''رات'' (night) سمجھے ہیں اور یہ ترجمہ بالکل غلط ہے۔ گویا یہاں پر وہ ''شوہ''، ''بگھیلا'' اور ''رَت'' تینوں لفظوں کو نہیں سمجھ سکے۔

(۱۱) پنجابی متن: بُلھا شوہ پیا ہُن گجّے

عشق دمامے سرتے وجے

چار دہاڑے کوئل واسا

اوڑک کوچ بچاری کا (ص:۱۰۶)

ترجمہ: بلھے شاہ کی دھوم مچی ہے

عشق کی نوبت آن بجی ہے

کوئل چار دنوں کی مہماں

آخر کوچ بچاری کا (ص:۵۰)

شاعر کی مراد اپنا آپ نہیں بلکہ ''شوہ'' محبوب، مالک حقیقی ہے ''گجے'' گرجدار آواز کو کہتے ہیں یعنی محبوب جس کی زوردار، زبردست ابدی اور لافانی آواز (اسے اُنحد سُر بھی کہتے ہیں) پوری کائنات میں گونج رہی ہے۔ عشق کے نقارے سر پہ بجنے لگے ہیں اب یہاں قیام ٹھہراؤ عارضی (کوئل واسا) ہے۔ آخر کار جان بچاری کو جانا ہی ہوگا۔ صحیح ادراک نہ کر سکنے

کی بنا پر مجاز اسے کوئل (پرندہ) سمجھ بیٹھے ہیں۔ ''شوہ'' شاہ سمجھا اور ٹھوکر کھائی۔ خود اس ترجمے کا پہلا مصرع اگلے مصرعوں سے مطابقت نہیں رکھتا۔

(۱۲) پنجابی متن: بھٹھ سلیماں توں جھکائیو (ص:۱۰۰)

ترجمہ: پھر سلیماں کو بھاٹ میں جھونکا (ص:۶۴)

حضرت سلیمان علیہ السلام ایک دنیاوی خواہش کی بنا پر سزاوار ہو گئے اور انہیں سزا کے طور پر تندور میں آگ جلانا پڑی۔ سرور مجاز غلط فہمی کی بنا پر خود حضرت سلیمان علیہ السلام کو تندور میں پھینکے جانے کے بارے میں بتا رہے ہیں۔ یہ مذہبی تاریخ یا اسلامی اور قرآنی روایات سے عدم واقفیت کی مثال کہی جا سکتی ہے۔ دراصل سرور مجاز کے ترجمے کو متنی غلطیوں نے زیادہ نقصان پہنچایا ہے کیونکہ اس وقت تک کوئی مناسب مرتبہ کلام بلھے شاہ کا موجود نہیں تھا۔ سرور مجاز کو ایک طرف تو منظوم ترجمہ کرتا تھا اور دوسری طرف کلام کو بھی مدون اور مرتب کرتا تھا جو شاید ان کے مزاج کا حصہ نہ تھا۔

عبدالمجید بھٹی کا کیا ہوا کلام بلھے شاہ کا منظوم اردو ترجمہ کافیاں بلھے شاہ مع منظوم اردو ترجمہ کے نام سے جون ۱۹۷۵ء میں لوک ورثے کا قومی ادارہ اسلام آباد کے زیر اہتمام شائع ہوا۔ کتاب کے کل صفحات ۳۱۸ ہیں۔ یہ کلام بلھے شاہ کا دوسرے ترجمہ نگاروں کی نسبت ایک ضخیم منظوم ترجمہ ہے۔ اس کی پیش کش کچھ ایسی ہے کہ ایک صفحے پر پنجابی کلام ہے جبکہ مقابل کے صفحے پر اس کا منظوم اردو ترجمہ دیا گیا ہے۔ جس سے تجزیہ و تقابل میں سہولت محسوس ہوتی ہے شروع میں دی گئی کافیوں کی فہرست موجود ہے جو صفحہ ا، ب، ج، د اوری پر پھیلی ہوئی ہے۔

عبدالمجید بھٹی نے ۹۴ کافیوں کا بھرپور ترجمہ کیا ہے اور تمام کافیوں کے اوپر عنوانات لکھ دیے ہیں یہ عنوانات کافی کا کوئی ایک مصرع یا مصرعے کا حصہ ہی ہوتا ہے جبکہ بعض لوگ اوپر لفظ ''کافی'' بھی لکھ دیتے ہیں۔ بہر حال عنوان دینے سے قارئین کے لیے تفہیم میں آسانی ہوتی ہے۔ ص ا سے ۱۳ تک ''ابتدائیہ'' کے عنوان سے بلھے شاہ کی زندگی اور کلام کے بارے میں لکھا

ہے پھر یہ کہ بلھے شاہ کا کلام اکٹھا کرنے میں جو مشکلات درپیش آئیں ان کا بھی مختصر بیان ہے۔

اس کے بعد بھٹی صاحب نے بلھے شاہ کے الحاقی کلام کے بارے میں مثالیں بھی دی ہیں جیسے کافی ''اللہ شہ رگ تھیں نزدیک''، ''راتیں جاگیں کریں عبادت راتیں جاگن کُتے''، ''نی کوٹچل میرا ناں'' والی استھائی کلی کافی ''اُلٹی گنگا بہایو رے سادھو'' چنانچہ ان کافیوں کو بھٹی صاحب نے شامل نہیں کیا البتہ ''کوٹچل'' والی کافی میں اپنے قیاس سے کام لے کر ''کوہجڑ'' کی تبدیلی کر کے شامل کر لیا ہے۔

عبدالمجید بھٹی نے شاہ حسین اور بلھے شاہ کے کلام کے مطالعہ کے دوران ایک حیرت انگیز مطابقت محسوس کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بلھے شاہ نے ایک لحاظ سے شاہ حسین کا اثر قبول کیا ہے اس حوالے سے وہ بلھے شاہ کی کافیوں میں سے ایسی مثالیں دیتے ہیں جو شاہ حسین کی کافیوں کو سامنے رکھ کر یا شاہ حسین کی استھائیوں پر لکھی گئی ہیں یا جزوی طور پر اپنالی گئی ہیں۔

اس کے ساتھ انہوں مخصوص مطالب اور معانی کے لحاظ سے بلھے شاہ کے استعمال کردہ الفاظ بھی دیئے ہیں جو شاہ حسین کی کافیوں میں بھی آئے ہیں۔ اسی ابتدائیہ میں بھٹی صاحب نے بلھے شاہ کی تاریخ وفات کا بھی تعین کیا ہے۔

عبدالمجید بھٹی اس سے قبل بابا فرید، شاہ حسین اور سلطان باہو کے کلام کا منظوم اردو ترجمہ کر چکے ہیں، بلھے شاہ کے کلام کا ترجمہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے بلکہ اگر ''آخری کڑی'' کہا جائے تو بہتر ہوگا کیونکہ انہوں نے ایک جگہ (۷) اس بات کا اظہار کیا تھا کہ وہ ہاشم شاہ، میاں محمد بخش اور علی حیدر کا ترجمہ بھی کرنے کا پروگرام رکھتے تھے لیکن ان شعرا کے ان کے کیے ہوئے تراجم سامنے نہیں آسکے یا انہوں نے کیے ہی نہیں۔

عبدالمجید بھٹی نے اپنے اس ترجمے میں بلھے شاہ کی کافیوں کی ترتیب بازار میں دستیاب مجموعوں کی طرح حروف تہجی کے مطابق ہی رکھی ہے ''ا'' سے شروع ہونے والی کافی پہلے، ''ب'' والی بعد میں، اسی طرح ''پ''، ''ت''، ''ٹ''، ''ث''، ''ج'' علی ہذالقیاس۔ آخر تک یہی انتظام روا رکھا ہے لیکن اس میں انہوں نے ایک امتیاز یہ پیدا کیا ہے

کہ کافیوں کے عنوانات کہیں کہیں دوسرے تدوین کاروں سے مختلف بھی کر دیئے ہیں اس سے صرف یہ فرق پڑا ہے کہ فہرست میں کافیوں کی حروف تہجی کے لحاظ سے کچھ ادل بدل ہو گیا ہے باقی کوئی خاص فرق نہیں پڑا۔

کتاب کے اصل متن اور ترجمے میں کچھ کتابت کی غلطیاں رہ گئی ہیں جن کے لیے الگ سے کوئی صحت نامہ (اغلاط نامہ) کتاب میں شامل نہیں کیا گیا۔ تفصیلی مطالعے سے پہلے بھٹی صاحب کی کتاب میں کتابت کی کچھ غلطیوں کی نشاندہی کی جاتی ہے۔

— ص۳۰ سطر۶ واڈھ کی بجائے ڈاڈھ یا ڈھانڈ
— ص۴۴ سطر۵ چتیاں کی بجائے چلّیاں
— ص۶۹ سطر۶ سون کی بجائے بھون
— ص۸۸ پر الگ کافی ''توں نہیوں میں ناہیں'' ملتی ہے اس کا متن بالکل غلط ہے
— ص۱۱۶ سطر۱ راس کی بجائے ماس
— ص۱۲۶ سطر۹ قائل کی بجائے گھائل
— ص۱۳۴ سطر۱۴ اتے کی بجائے نے
— ص۱۶۶ سطر۷ کردے کی بجائے گردے
— ص۱۶۶ سطر۱۲ اپُرانا کی بجائے بُورانا (حیران)
— ص۲۰۰ سطر۱۶ کہیں کی بجائے میں
— ص۲۰۲ سطر۱ پھیرا کی بجائے پھر
— ص۲۱۴ سطر۵ رج کی بجائے رَت (لہو)
— ص۲۳۴ سطر۱۶ بس کی بجائے بے (بغیر)

عبدالمجید بھٹی نے اپنے اردو ترجمے میں پنجابی کے کچھ ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں جن کا متبادل یا مترادف اردو میں نہیں ملتا مثلاً چالے، اِت اُت، شوہ، چٹیک، لیکھا، ڈوڈو کرنا، لُونے، بُگّل، پُونی، ترنجن۔

لیکن ایسے بھی بہت سے الفاظ سامنے آئے ہیں جن کا اردو میں مترادف موجود ہے اور عروضی پابندیاں بھی حائل نہیں اور پھر صوتی حُسن اور شاعرانہ آہنگ بھی آڑے نہیں آتا لیکن اس کے باوجود بھٹی صاحب نے ان پنجابی الفاظ ہی کو استعمال کیا ہے۔

جس طرح کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے کہ کسی بھی صوفی شاعر کے کلام میں اس کی اپنی تہذیب کے رموز و علائم اپنے پورے تہذیبی رچاؤ کے ساتھ صوفیانہ مضامین میں ڈھلتے نظر آتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ آیا یہ رموز و علائم ترجمہ نگار اپنی زبان میں منتقل کر سکا ہے یا نہیں اور اگر کر سکا ہے تو کس حد تک یعنی ترجمے کے مقام و مرتبے کا تعین کرنا۔ چنانچہ بھٹی صاحب کے منظوم ترجموں کے سامنے رکھنے اور ان کا شاعر کے کلام سے موازنہ کرنے پر پتا چلتا ہے کہ وہ کہیں کہیں بہت اچھا ترجمہ کرتے ہیں لیکن بعض مقامات پر ان کا ترجمہ سطحی اور شاعر کی فکر سے دور لگتا ہے۔ مثلاً:

میں گُنبڑا چُن چُن ہاری نی میں کنبڑا چُن چُن ہاری\
خوش اعمال تو پار لگی ہیں، رہ گئی اوگن ہاری\
کہہ کے الست جو الفت کی تھی میں نے کیوں وہ بساری\
میں گُنبڑا چُن چُن ہاری نی میں کنبڑا چُن چُن ہاری

بلھے شاہ کی یہ کافی ایک حکمت آمیز تمثیل ہے کنبڑا (کسم) ایک فصل ہے جس کے پودے پر سے سیاہی مائل بھورے رنگ کے بیج اترتے ہیں لیکن اس پورے پر تیز نوکیلے کانٹے ہوتے ہیں جو چُبھ کر زخمی کر دیتے ہیں۔ یہ تمثیل دُنیاداری کے امور میں مصروف خاتون یا مرد کے لیے استعمال کی گئی ہے جو اُخروی تقاضوں کو بھول چکی ہے چونکہ اس کافی میں اکثر الفاظ پنجابی اردو میں یکساں مستعمل ہیں جیسے پٹاری، گٹھڑی اوگن ہاری، ڈھیر، گھاٹی وغیرہ لیکن ٹھیٹھ پنجابی لفظوں مالیہ، پھویا پھویا، پنڈا، چُگ چُگ کے لئے بھی آسان مترادفات چُنے ہیں پھر قافیہ بھی بلھے شاہ والا ہی اختیار کیا ہے بلھے شاہ کو یہ کریڈٹ جاتا ہے کہ ان کی پنجابی زبان اردو کے بہت قریب ہے اس لیے ترجمہ نگار کو ترجمے میں

آسانی رہتی ہے۔ لیکن کہیں کہیں تو عبدالمجید بھٹی نے زبردست ٹھوکریں کھائیں ہیں جس سے ترجمے سے استفادہ کرنے والوں کے لیے نہایت مشکل پیدا ہوگئی ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ انہوں نے جب ترجمہ کیا کلام بلھے شاہ کا کوئی معیاری اور مستند متن سامنے نہیں آیا تھا لیکن یہ حقیقت بھی قابلِ غور ہے کہ جو متن درست تھا بھٹی صاحب نے اُسے بھی اپنی قیاسی تصحیح سے کچھ کا کچھ بنا دیا جس سے ترجمے غلط ہو گیا البتہ ایک بات قابلِ ذکر ہے کہ جس طرح بابا فرید، شاہ حسین اور سلطان باہو کے کلام کے منظوم تراجم کرتے وقت بھٹی صاحب ان شعرا کے زمانے کے پنجابی الفاظ کا صحیح ادراک نہ کر سکنے کی بنا پر ترجمے میں غلطیاں کرتے رہے، بلھے شاہ کے کلام میں ایسی مثالیں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ پھر بھی انہوں نے اپنے طور پر اگر متن میں تغیّر و تبدّل کیا تو پھر یہ تبدیلی ترجمے میں بھی در آئی۔ بھٹی صاحب کے منظوم ترجمے کا پنجابی متن کے ساتھ تقابل و تجزیہ سے غلط، برعکس اور مبہم ترجمے کی کچھ مثالیں پیش خدمت ہیں۔ یہ مثالیں پیش کرتے ہوئے پنجابی متن وہی دیا جائے گا جو مترجم نے دیا ہے۔

پنجابی متن:

پریم نگر دے اُلٹے چالے\
خونی نین ہوئے خوشحالے\
آپے آپ پھسے وچ جالے\
پھس پھس آپ کہایورے\
اب ساجن کیوں چرلائیورے\
بلھا شوہ سنگ پریت لگائی\
سوہنی بن تن سب کوئی آئی\
دیکھ کے شاہ عنایت سائی\
جی میرا بھر مایورے (ص:۱۶، ۱۸)

منظوم ترجمہ:

پریم نگر کے اُلٹے چالے

خونی نین ہیں عشرت پیالے
دام میں اپنے آپ پھنسی ہوں
دکھ میں اپنی جان الجھائے
ساجن اب کیوں دیر لگائی
بلھا پریت پیا سے لگائی
ہر کوئی بن ٹھن کر آئی
دیکھ کے شاہ عنایت سائیں
میرے جی پر بےکلی چھائی
ساجن اب کیوں دیر لگائی (ص:۱۷، ۱۹)

اس کافی کے پہلے بند کے پہلے مصرعے کا ترجمہ کرتے ہوئے مترجم نے پنجابی مصرع ہی دُہرایا ہے۔ دوسرے مصرعے میں ''خوش حالے'' کا ترجمہ ''عشرت پیالے'' مہمل ہے اور پھر اس بند کے چوتھے مصرعے میں ''کہایورے'' کا ترجمہ ''الجھانا'' کیا ہے جس کا مطلب پھنسانا ہے حالانکہ شاعر کا مفہوم ''اپنے آپ کو ذبح کروانا'' ہے۔ اسی طرح دوسرے بند کے تین مصرعوں کا ترجمہ درست کر کے چوتھے مصرعے کا بالکل غلط ترجمہ کر دیا ہے ''جی میرا بھرمایورے'' کا مفہوم جی یا دل کو موہ لینا ہے نہ کہ جی پہ بےکلی (اُداسی) چھانا۔ اس بند کے تیسرے مصرعے میں پنجابی متن میں لفظ ''سائیں'' کو ''سائی'' لکھا ہے جبکہ منظوم ترجمہ کرتے ہوئے اسے ''سائیں'' ہی لائے ہیں۔

پنجابی متن:
توں جس دن جوبن متّی سی
توں نال ہوراں دے رتّی سی
ہو غافل دُنیا وتّی سی
ہُن بیھن تیرے درکا نہیں

اُٹھ جاگ گھراڑے مارنہیں
ایہہ سون تیرے درکا نہیں
توں مُڈھوں بہت کوجّی سیں
نرلجاں دی نرلجّی سیں
توں کھاکھا کھانے رجّی سیں
تیں کولوں کون اوازارنہیں (ص:۳۶)

منظوم ترجمہ:
جس دن تھی تو جوبن ماتی
سکھیوں سے تھی جی بہلاتی
تھی غفلت میں خوش اوقاتی
اب رہنا نہیں بےکار تجھے
اُٹھ جاگ نہ اب خرّاٹے لے
یہ نیند نہیں درکار تجھے
تھا تجھ کو نہ کوئی سلیقہ بھی
اور تو بےحد بےشرم بھی تھی
کبھی حرص نہ پوری ہوئی تری
سب ہی تجھ سے بیزار رہے (ص:۳۷)

یہاں پہلا بند جس کا پنجابی متن بھٹی صاحب ہی نے دیا ہے اس میں ہر مصرعے کے آخر میں ''سی'' بہ طور ردیف غلط نظر آتا ہے۔ اسے ''سیں'' ہونا چاہیے تھا۔ دوسرے مصرعے میں ''ہوراں'' کی بجائے ''سئیاں'' زیادہ مناسب لگتا ہے کیونکہ ترجمے میں وہ ''سکھیوں'' کا لفظ لے آئے ہیں جو درست ہے۔ ''دُنیاوتّی'' کا ترجمہ ''خوش اوقاتی'' سراسر الٹ ہے۔ پھر دوسرے بند میں ''توں کھانے کھا کھا رجی سیں'' کا ترجمہ ''کبھی حرص نہ پوری ہوئی تیری'' اس کے مفہوم میں تضاد ہے کیونکہ ''رجی'' کا مطلب سیر ہوتا ہے اور اس پر انسان مزید خواہش نہیں کرتا۔

پنجابی متن:

آگے مشکل پینڈا بھارا اے
اِک الف پڑھو چھٹکارا اے
بن حافظ حفظ قرآن کریں
پڑھ پڑھ کے صاف زبان کریں
پھر نعمت وچ دھیان کریں
من پھر جیوں ہلکارا اے
اک الف پڑھو چھٹکارا اے
بُلھا بی بوہڑ دا بویا سی
اور برچھ وڈا جد ہویا سی
حد برچھا اوہ فانی ہویا سی
مڑ رہ گیا بیج نکارا اے (ص:۳۲)

منظوم ترجمہ:

درپیش سفر دکھ دھارا ہے
پڑھو ایک الف چھٹکارا ہے
ہم حفظ اگر قرآن کریں
پڑھ پڑھ کر صاف زبان کریں
اور چون وچرا کا بھی دھیان کریں
من چلا ہوا ہرکارہ ہے
پڑھو ایک الف چھٹکارا ہے
بُلھا بڑ کا بیج جو بویا تھا
وہ پھُولا، پھلا، پروان چڑھا
پھر اُکھڑا اور نابود ہوا

کس کام کا بیج بچارا ہے (ص:۳۳)

پہلے مصرعے میں ''درپیش سفر دکھ دھارا'' کی بجائے ''دکھ بھارا'' زیادہ جچتا ہے۔ ''دھارا'' کا مطلب چشمہ بہاؤ یا پانی کا تیز چلنا ہوتا ہے یا پھر ''دھاڑا'' بمعنی ظلم زیادتی ہوتو سکتا ہے مگر بلھے شاہ خود ''بھارا'' استعمال کرتے ہیں اور ترجمہ نگار اس سے اغماض برتتے ہیں۔ بند کا تیسرا مصرع ''پھر نعمت وچ دھیان کریں'' کا ترجمہ ''اور چون وچرا کا بھی دھیان کریں'' مہمل ہے ''چون وچرا'' بحث وتکرار یا حرف استفہام کے لیے آتا ہے۔ دُنیا کی نعمتوں کے لیے قطعاً نہیں آتا۔ ''ہلکارا'' کا مطلب ''ہرکارہ'' بتایا ہے۔ ''ہرکارہ'' ڈاک تقسیم کرنے والا یا کوئی بھی کام کرنے والا ہوتا ہے جبکہ ''ہلکارا'' کا پنجابی میں مفہوم بہت ہی قابل فہم ہے یعنی جب کُتا دیوانہ ہو جاتا ہے یعنی اُسے ہلک کا دورہ پڑتا ہے وہ ہر ایک پہ جھپٹتا اور کاٹتا ہے شاعر کا مفہوم ہے کہ دنیا دار، فانی کاموں میں مصروف لوگوں نے آخرت بھلا دی ہے اور پاگل کُتے کی طرح دنیاوی چیزوں پر جھپٹتے پھرتے ہیں ''مڑ رہ گیا بیج نکارا اے'' بھی درست نہیں۔ یہ بھی بھٹی صاحب کے متن میں قیاسی تصحیح ہے ڈاکٹر فقیر نے اسے ''اکارہ'' لکھا ہے۔ شریف صابر اور آصف خاں بھی ''اکارہ'' لکھتے ہیں۔ لہٰذا ایک کافی کے دو بند میں سے اس قدر اصل متن کے برعکس ترجمے کی مثالیں مل جانا حیرت نہیں بلکہ افسوس ہے کہ کاش بھٹی صاحب مکمل توجہ ترجمے کو دے پاتے۔

پنجابی متن:

پھڑ نقطہ چھوڑ حساباں نوں
کر دور کفر دیاں باباں نوں
لاہ دوزخ گور عذاباں نوں
کر صاف دلاں دیاں خواباں نوں
گل ایسے گھر وچ ڈُھکدی اے
اک نقطے وچ گل مُکدی اے
اینویں متھا زمین گھسائی دا
لمّاں پا محراب دکھائی دا

پڑھ کلمہ لوک سہائی دا

دل اندر سمجھ نہ لیائی دا

کدی سچی بات وی لُکدی اے

اک نقطے وچ گل مکدی اے

اک جنگل بحریں جاندے نیں

اک دانہ روزی کھاندے نیں

بے سمجھ وجود تھکاندے نیں

گھر آونڈے ہوکے جاندے نیں

اینویں چتیاں وچ جند سُکدی اے

اک نقطے وچ گل مکدی اے (ص:۴۲،۴۴)

منظوم ترجمہ:

اک نکتہ پکڑ، تج سب لیکھے

بچ کُفر کے سب دروازوں سے

کر ختم جہنم کے قصے

رکھ دل کو پاک وساوس سے

بس بات یہی اک جچتی ہے

اک نکتے میں ساری بات ہے طے

یوں ماتھا رگڑے جاتے ہیں

اس سے محراب سجاتے ہیں

پڑھ کر کلمہ گرماتے ہیں

پر اس کو سمجھ نہیں پاتے ہیں

سچ بات بھلا کب چھپتی ہے

اک نکتے میں ساری بات ہے طے

کوئی جنگل بحر میں جاتے ہیں

اک دانہ روزی کھاتے ہیں

نادان وجود گھساتے ہیں

بے بس ہوکر گھر آتے ہیں

جاں چلّہ کشی میں گھلتی ہے

اک نکتے میں ساری بات ہے طے (ص:۴۳،۴۵)

اس کافی میں بھٹی صاحب نے متن سے انحراف کر کے بالکل اپنی پسند کا ترجمہ کیا ہے جو غلط اور مہمل ہے۔ پہلے بند میں ''کر دور کفر دیاں باباں نوں'' کا ترجمہ ''بچ کفر کے دروازوں سے'' کیا ہے ''باب'' عربی کا لفظ ہے جس کا معنی دروازہ ہے جبکہ یہاں اس سے مراد chapter ہے یعنی کسی بھی موضوع پر معلومات ایک جگہ اکٹھی مل جائے، جس طرح کتب میں مواد کو مختلف ابواب میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ بھٹی صاحب ''باب'' کے لفظ سے سیدھے ''دروازے'' پہ پہنچ گئے پھر ''لاہ دوزخ گور عذاباں نوں'' میں دوزخ (جہنم) گور (قبر) دو الگ الگ جگہیں ہیں اس کا ترجمہ ''کر ختم جہنم کے قصے'' نامکمل ہے۔ دوسرے بند میں پہلے دو مصرعوں کا ترجمہ درست کیا ہے مگر تیسرے مصرعے میں لفظ ''سہائی'' لائے ہیں ''پڑھ کلمہ لوگ سہائی دا'' کا ترجمہ ''پڑھ کر کلمہ گرماتے ہیں'' غلط ہے سہائی کا مطلب لوگوں کو اچھا لگنا، جوش دلانا یا حمایتی بنانا ہے جو اگلے مصرعے کے حوالے سے درست نہیں ہے۔ تیسرے بند میں پہلے تین مصرعوں کا ترجمہ اور متن دونوں درست ہیں البتہ چوتھے مصرعے میں ''آونڈے'' کی بجائے ''ماندے'' ہے اور پانچویں مصرعے میں ''چیتیاں'' کی بجائے ''چلیّاں'' ہے کیونکہ ترجمے میں بھٹی صاحب نے ان الفاظ کے معنی درست لکھے ہیں۔

پنجابی متن:

زکریا نے جد پایا قہارا

جس دم وجیا عشق نگارا

	دھریا سر تے تکھا آرا	(ص:۴۶)
منظوم ترجمہ:	زکریا نے دی جو دُہائی	
	عشق کو ایسی غیرت آئی	
	آری اُس کے سر پہ چلائی	(ص:۴۷)

بند کے دوسرے مصرعے ''جس دم وجیا عشق نگارا'' کا ترجمہ غلط ہے نگارا، نقارے کو کہتے ہیں جو اعلان یا مشتہر کرنے کے لیے ہمارے خطے میں کچھ عرصہ پہلے تک استعمال ہوتا رہا۔ بلند آواز کی بجائے پہلے نقارہ بجایا جاتا تھا یعنی عشق با آواز بلند حضرت زکریاؑ نے اختیار کیا لیکن اس کے برعکس بھٹی صاحب کا یہ فرمانا کہ عشق کو غیرت آنا کسی طور درست نہیں ہے۔

پنجابی متن:	کورو پانڈو کرن لڑائیاں	
	اٹھاراں کھوہنیاں تدوں کھپائیاں	(ص:۱۳۸)
منظوم ترجمہ:	کورو پانڈو کریں لڑائی	
	پُشت اٹھارہ پر نوبت آئی	(ص:۱۳۹)

اس میں ''مہا بھارت'' میں ہونے والی لڑائی جو ہندوستان کی سرزمین پر کوروں اور پانڈوں کے درمیان ہوئی اس کا ذکر ہے۔ ''کھوہنی'' سے مراد فوج کی ایک خاص تعداد جس میں ہاتھی، رتھ، گھوڑوں اور پیادوں کی کل گنتی ۲۱۸۷۰ بتائی جاتی ہے اور اٹھارہ کھوہنیوں کی تعداد تو بہت زیادہ ہو جائے گی۔ بھٹی صاحب کھوہنی کو پُشت بمعنی نسل سمجھے ہیں۔ لہٰذا ترجمہ غلط ہو گیا ہے۔
عبدالمجید بھٹی کے اس ترجمے میں ایسی اور بھی متعدد مثالیں آسانی سے مل جاتی ہیں۔ یہاں خوفِ طوالت سے اب مزید چند مثالوں کو بغیر وضاحت کے نشان زد کیا جاتا ہے۔

بلھے شاہ:	سانولیاں دے نین سلونے	(ص:۳۴)
بھٹی:	نین سلونے مان اوروں کے	(ص:۳۵)

بلھے شاہ:	گل نیلے جامے پائے جی	(ص:۴۲)
بھٹی:	درویشی بانے سجائے نیں	(ص:۴۳)
بلھے شاہ:	تُسی چھپ دے ہو اساں پکڑے ہو	
	اساں وچ جگر دے جکڑے ہو	(ص:۵۶)
بھٹی:	تم ہم کو جھپٹ سے پکڑے ہو	
	ساتھ اپنے ہم کو جکڑے ہو	(ص:۵۷)
بلھے شاہ:	نہ وچ بیٹھن، نہ وچ سون (بھون)	(ص:۶۲)
بھٹی:	ڈھب نہیں بیٹھنے چلنے کا	(ص:۶۳)
بلھے شاہ:	جو کوئی انحردی سُر پاوے	(ص:۶۴)
بھٹی:	جو وحدت کی تان اُڑائے	(ص:۶۵)
بلھے شاہ:	کُوکاں تن من وانگوں موراں	(ص:۶۴)
بھٹی:	کوئل کوک جگر میں ٹھہرے	(ص:۶۵)
بلھے شاہ:	او ہو دیکھا ساڈے جھیڑے	(ص:۷۸)
بھٹی:	اور اپنے میں جھیلے وہ تو	(ص:۷۹)

عبدالمجید بھٹی کے بلھے شاہ کے کلام کے منظوم اردو ترجمے کے اس مطالعے سے ہم اس نتیجے پہ پہنچتے ہیں کہ ترجمہ کرتے ہوئے انہوں نے اکثر لغزشیں کھائی ہیں مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کا کارنامہ معمولی ہے انہوں نے نہ صرف بلھے شاہ بلکہ دیگر پنجابی شعرا کے منظوم اردو ترجمے کر کے اردو شاعری میں ایک قابل قدر روایت کی بنیاد رکھی۔ ان کا یہ ترجمہ اور اس سے پہلے زیر بحث آنے والے بابا فرید، شاہ حسین اور سلطان باہو کے کلام کے منظوم اردو تراجم سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ وہ زیادہ تر پنجابی متن کے قریب رہ کر ترجمہ کرتے ہیں۔ پھر انہیں پنجابی تہذیب اور پنجابی زبان سے بھی وسیع شناسائی حاصل ہے جن کی بنا پر ان کا ترجمہ باوجود تسامحات کے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

کلام بلھے شاہ کا منظوم اردو ترجمہ کر کے کتابی شکل میں چھپوانے والے تیسرے اہم ترجمہ نگار علی اکبر عباس ہیں۔ ان کی یہ کاوش بلھے شاہ کے کلام کے نام سے اگست ۱۹۸۹ء میں پنجاب کونسل آف دی آرٹس لاہور کے زیر اہتمام چھپ کر سامنے آئی۔ اس کا سرورق پاکستان کے مایۂ ناز منصور تنویر مرشد نے بنایا جبکہ خطاطی طارق محمود سولنگری نے نہایت ذوق شوق سے کی۔ یہی وجہ ہے کہ اس کتاب میں متن کی غلطیاں قدرے کم ہیں غرض یہ کتاب نہ صرف صوری حُسن سے مالا مال ہے بلکہ مطالعہ کے بعد یہ امر حقیقت بدیہی بن کر سامنے آتا ہے کہ علی اکبر عباس کا ترجمہ بھی لائق صد تحسین ہے۔

کتاب کے صفحہ نمبر ۳ سے ۶ تک مندرجات کی فہرست ''ترتیب'' کے عنوان سے دی گئی ہے۔ فہرست میں کافیوں کے پنجابی عنوانات جو کافی کے ہی آدھے یا مکمل مصرعے سے نکالے گئے ہیں، کے تحت حروف تہجی کی ترتیب سے صفحہ وار دیے گئے ہیں۔ چنانچہ جب متذکرہ صفحہ پر جا کر کافی ملاحظہ کی جاتی ہے تو پتا چلتا ہے کہ پنجابی متن دیے گئے عنوان کے تحت درج کیا گیا ہے اور اس کا اردو ترجمہ بغیر عنوان کے علی عباس نے پنجابی متن ساتھ تو دیا ہے لیکن یہ آمنے سامنے نہیں ہیں بلکہ بائیں طرف والے صفحے پر پنجابی متن ہے تو اس صفحے کی پشت پر اردو ترجمہ ہے۔ اس انداز سے صرف وہاں ذرا الجھن ہوتی ہے جہاں کو کافی ایک سے زیادہ صفحوں پر آتی ہے۔

علی اکبر عباس نے دوسرے ترجمہ نگاروں کے برعکس ایک خوبصورت اور قابل ستائش کام یہ کیا ہے کہ اپنے پیش لفظ کے آخر میں یہ لکھ دیا ہے کہ اس ترجمے کے لیے ڈاکٹر سید نذیر احمد کا تدوین کردہ کلام بلھے شاہ کا نسخہ سند مانا گیا ہے۔

کتاب کا دیباچہ اردو اور پنجابی کے نامور ادیب اشفاق احمد کا لکھا ہوا ہے۔ وہ ترجمے خصوصاً شاعری کے شاعری میں ترجمے کی مشکلات کا ذکر کر کے علی اکبر عباس کے ترجمے کو سراہتے ہیں۔ ان کے خیال کے مطابق عباس نے بلھے شاہ کے کلام کو اردو شاعری میں منتقل کر کے اپنی شناوری کا کمال دکھایا ہے اور کمال یہ کہ بلھے شاہ کی کل کلام کو اردو کے انگ بھاؤ میں پورے کا پورا اُتار کر ترجمے کو اس سوز و مستی سے لبریز کر دیا جو بلھے شاہ کے کلام میں حال بن کر وارد ہے۔ بہت مناسب ہوگا کہ اشفاق احمد کے اپنے الفاظ میں بات کہی جائے وہ کہتے ہیں:

گیسوئے اردو کو بابا بُلھے شاہ کے مزاج کی لٹک عطا کرنا اور لسانی ہمہ اوست کا صوتی رنگ فراہم کرنا اسی شاعر کا کام تھا۔ اس منظوم ترجمے کو ملاحظہ فرمایئے اور پھر دیکھیے کہ علی اکبر عباس نے الفاظ کے اختلاف کے باوجود شاعری کو کس سلیقے سے اکو رنگ کپا ہیں دا عطا کیا اور آہنگ اور پیٹرن میں کس طرح ایک نئی صوتی لہر دریافت کی ہے۔ (۸)

ہم نے پچھلے دو منظوم تراجم میں دیکھا ہے کہ عبدالمجید بھٹی پنجابی اور اردو کے شاعر ہونے کے ناطے کلام بلھے شاہ کا منظوم ترجمہ پنجابی ماحول اور زبان کے تقاضوں کے مطابق متن کے قریب رہ کر کرتے ہیں اور لغوی معنوں سے زیادہ مجموعی مفہوم کو مدِ نظر رکھتے ہیں جبکہ سرور مجاز اپنے منظوم ترجمے میں پنجابی الفاظ کے بطور خاص استعمال کا اعتراف کر کے اردو ذخیرہ الفاظ میں اضافے کا باعث بنتے ہیں اور پھر ان کی شاعری اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے اردو بحر میں ترجمہ کیا ہے جس سے اردو قارئین بخوبی واقف ہیں اس طرح بلھے شاہ کا کلام بخوبی سمجھ آ جاتا ہے۔

علی اکبر عباس کے ترجمے کی خاص بات یہ ہے کہ انہوں نے اصل فکر پر توجہ دینے کے ساتھ ساتھ اس آہنگ اور موسیقی کو بھی برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے جو بلھے شاہ کی کافی کی پہچان ہے، وہ خود کہتے ہیں:

> پنجابی زبان میں اظہار کی ایک گھنڈی ہوتی ہے جسے کھولنا بہت مشکل ہے اور پھر کافی ایک ایسی صنفِ سخن ہے جس کا تاثر اس کی موسیقیت میں چھپا ہوتا ہے۔ لفظوں کی معنویت اس وقت تک آشکار نہیں ہوتی جب تک سُر تال سے ان کا میل نہ کر دیا جائے۔ ترجمہ کرتے وقت اس کا اہتمام مشکل ترین مرحلہ ہوتا ہے کافی کا وہ راگ، ٹھاٹھ اور انگ برقرار نہ رہے تو ترجمے میں لفظوں کے معانی لکھ دینے سے کام نہیں چل سکتا۔ کافی کا ترجمہ خصوصاً اس کے اپنے آہنگ میں ہونا ضروری ہے۔ بس اسی

ایک بندش کو سامنے رکھ کر میں نے یہ جرأت کی ہے اور یہ اہتمام رکھا ہے کہ کوئی بھی کافی جس راگ کے مخصوص انگ میں گائی جاسکتی ہے وہ اسی رنگ میں ترجمہ ہو۔ (۹)

چنانچہ ہم علی اکبر عباس کا منظوم ترجمہ پڑھتے ہوئے محسوس کرتے ہیں کہ انہوں نے بلھے شاہ کی شوخی، بے باکی، طنز کی لے اور آہنگ کو کمال خوبصورتی سے قائم رکھا ہے۔ اکثر جگہوں پر بلھے شاہ کا قافیہ اختیار کیا ہے پنجابی کے عام فہم الفاظ، جو اردو میں پہلے بھی ملتے ہیں اور بلھے شاہ کے کلام کی خصوصیت ہیں۔ ہم پہلے بھی اس کا ذکر کر آئے ہیں کہ بلھے شاہ کی زبان اردو کے قریب ترین ہے اور اس کا اظہار علی اکبر عباس نے بھی کیا ہے۔ اس لیے پنجابی کے یہ الفاظ عباس کے ترجمے کی زینت بنے ہیں۔

علی اکبر عباس اپنے منظوم ترجمے میں پنجابی کے جو الفاظ ہو بہو استعمال کرتے ہیں ان میں سے بعض تو ایسے ہیں جن کے مترادفات اردو میں نہیں ملتے اور بعض کے مل جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ علی اکبر عباس اپنے ترجمے میں ہندی کے الفاظ بھی لاتے ہیں جن کے استعمال سے کلام میں ایک خاص قسم کی سندرتا اور کوملتا پیدا ہوتی ہے اور کافی کو گیت کا رنگ اور آہنگ میسر آتا ہے۔

علی اکبر عباس کے اس ترجمے میں سے بہتر ترجمے کی چند مثالیں کچھ تنقیدی جائزے کے ساتھ ملاحظہ ہوں۔ پنجابی متن ساتھ نہیں دیا جا رہا کیونکہ اس ترجمے میں کوئی ایسی الجھن نہیں کہ یہاں تقابل کی ضرورت ہو:

(۱) ترجمہ: اب تو جاگ مسافر پیارے
رات گئی ہوئے ماند ستارے
آواگون سرائیں ڈیرے
ساتھ تیار مسافر تیرے
نہیں سنے کیا کوچ نقارے
اب تو جاگ مسافر پیارے

کر لے آج عمل کا چارہ
تو پھر آئے گا نہ دوبارہ
ساتھی چل سو چل پکارے
اب تو جاگ مسافر پیارے
موتی، چونا، پارس، سونا
پاس سمندر پیاسے ہونا
کھول آکھیں اُٹھ جا بیکارے
اب تو جاگ مسافر پیارے
بُلھے! شاہ کے پاؤ پڑیں اَب
تج غفلت کچھ حیلہ کریں اَب
ہرن جتن بن کھیت اُجاڑے
اَب تو جاگ مسافر پیارے (ص:۱۲)

اس کافی ''اب تو جاگ'' کا یہ ترجمہ بلاشبہ خوبصورت اور فنی طور پر توانا ترجمہ ہے۔ خصوصاً ''رات گئی لٹکے سب تارے'' کا ترجمہ ''رات گئی ہوئے ماند ستارے'' لاجواب ہے۔ چاروں بندوں میں صرف ایک بند بلھے شاہ کے قافیے میں ہے وہ بھی اس لیے کہ پنجابی مصرعے ہی دُہرادیے ہیں۔ تیسرے بند کی پہلی سطر ''موتی، چونا، پارس پاسے'' کا ترجمہ ''موتی، چونا، پارس، سونا'' میں ''پاسے'' کا مطلب سونا نہیں ہے ''پاسے'' بھی سمندری پتھر یا موتی ہی ہے کیونکہ شاعران کا ذکر کر کے پھر کہتا ہے کہ یہ سارے سمندر کے پاس (نزدیک) ہیں مگر پھر بھی پیاسے ہیں اصل میں اس بند میں ایک خوبصورت رمز ہے جو بیان کرنے سے زیادہ محسوس کرنے میں لطف دیتی ہے ''آکھیں'' پنجابی لفظ ہے جو آنکھیں کے لئے استعمال ہوا ہے اور خوب جچا بھی ہے۔ چوتھے بند میں ''پاؤ'' متن کی غلطی لگتا ہے یا پھر شعری ضرورت کی خاطر وزن پورا کرنے کے لیے حرف گھٹایا گیا ہے۔ بہرحال ''ہرگ جتن بن کھیت اُجاڑے'' کا ترجمہ ''ہرن جتن بن کھیت اُجاڑے'' بہت

ہی دیدہ زیب اور بامعنی ہے۔ دیگر دونوں ترجمہ نگار (بھٹی اور مجاز) اس مفہوم کو کیسے ادا کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں:

عبدالمجید بھٹی: موت ہرن بن کھیت اجاڑے

سرور مجاز: موت کے آگے کتنے ہارے

دریں حالات علی اکبر عباس کو کریڈٹ جاتا ہے کہ وہ پنجابی شاعر کے مضمون کو بخوبی واضح کر پاتے ہیں۔

(۲) ترجمہ:

چھوڑ چلا ہمسائیگی یار
خدایا! اَب کیا کریں
چل ہی دیار کنے کانہیں
ہمرا ہی بھی تیار
خدایا! اَب کیا کریں
چاروں جانب کوچ کے چرچے
ہر سُو یہی پکار
خدایا! اَب کیا کریں
خواہش دید میں سینہ بھڑکے
بن دیکھے دیدار
خدایا! اَب کیا کریں
بُلھّے! پیارے پیا بِنا ہم
رہے آر نہ پار
خدایا! اَب کیا کریں (ص:۲۱)

اس کافی میں شاعر ہی کا قافیہ اختیار کیا گیا ہے ''چھوڑ چلا ہمسائیگی یار'' کی بجائے شاعر کے مطابق ''اٹھ چلے گواہنڈوں یار'' کی مناسبت سے ''چھوڑ چلے ہمسائیگی یار'' زیادہ بہتر ہوتا۔ چار بندوں میں سے تین کا ترجمہ بلاشبہ منفرد اور معتبر ہے۔ البتہ تیسرے بند کا پہلا مصرع ''ڈھانڈ کلیجے بل بل اُٹھدی'' قابل غور ہے ''ڈھانڈ'' آگ کے بڑے شعلے یا لمبو (پنجابی) کو کہتے ہیں اس کے ترجمے ''خواہش دید میں سینہ بھڑکے'' میں مفہوم تو ادا ہو جاتا ہے لیکن اثر آفرینی میں کمی نظر آتی ہے کیونکہ شاعر کا سوز اور درد کلیجے سے ہی وابستہ ہے۔ بہر حال خوبصورت اور معیاری ترجمے کی مثال ہے۔

علی اکبر عباس کے ترجمے کی ایک اور اچھی مثال کافی ''اک نقطے وچ گل مکدی اے'' کا منظوم ترجمہ ہے:

(۳) ترجمہ:

لے نقطہ چھوڑ حساب میاں
تج دوزخ، گور، عذاب میاں
کر بند کفر کے باب میاں
کر صاف تو دِل سے خواب میاں
اسی گھر میں بات آرُکتی ہے
بات اِک نقطے میں چکتی ہے
یونہی ماتھا پڑے گھساتے ہو
محراب پڑا دکھلاتے ہو
کلمہ پڑھ لوگ ہنساتے ہو
نہیں دل کو کچھ سمجھاتے ہو
کبھی سچی بات بھی چھپتی ہے
بات اِک نقطے میں چکتی ہے
کوئی جنگل بحر میں جاتے ہیں
اِک دانہ روز کا کھاتے ہیں

بے سمجھ وجود تھکاتے ہیں
تھک ہار کے گھر کو آتے ہیں
چلّوں میں جان ترستی ہے
بات اِک نقطے میں چُھپتی ہے
کئی حاجی بن بن آئے جی
تن پر احرام سجائے جی
حج بیچ ٹکے میں کھائے جی
پر بات یہ کس کو بھائے جی
کہیں سچی بات بھی رُکتی ہے
بات اِک نقطے میں چُھپتی ہے (ص:۳۱،۳۲)

اس کافی کے پنجابی متن میں دوسرے ترجمہ نگاروں کو ''باباں''، ''ہسائی دا'' ''ماندے'' اور ''نیلے جامے'' سے شدید مغالطے لگے ہیں لیکن علی اکبر عباس ان کا صحیح ترجمہ اور درست مترادفات فراہم کر پائے ہیں۔

''منہ آئی بات نہ رہندی اے'' بلھے شاہ کی بہت مشہور کافی ہے اور اس کا ترجمہ بھی پورے چھے کے چھے بندوں کا مثالی اور معیاری ہے تین بندوں میں تو قافیہ بھی وہی رکھا ہے۔ جگہ کی کمی کے باعث علی اکبر عباس کے بہتر اور معیاری ترجمے کی اور مثالیں دینا ممکن نہیں البتہ کافیوں کے عنوانات ذیل میں لکھے جاتے ہیں جو اس سلسلے میں قابل ذکر ہیں اور جن میں کوئی چیز مخل نظر اور بارِ خاطر محسوس نہیں ہوتی۔

(۱) تو ہیوں ہیں میں ناہیں — (۲) جس تن لگیا عشق کمال
(۳) جند کڑکی دے مُنہ آئی — (۴) جو رنگ رنگیا گوہڑا رنگیا
(۵) چُپ کر کے کریں گذارا — (۶) چلو دیکھئے اوس مستانڑے نوں

(۷) خلق تماشے آئی یار — (۸) دل لوچے ماہی یار نوں
(۹) ڈھلک گئی چرخے دی ہتھی — (۱۰) رانجھا رانجھا کر دی
(۱۱) کوئی پچھو دلبر کیہہ کردا — (۱۲) کیوں اوہلے بہہ بہہ جھاکی دا
(۱۳) گل رولے لوکاں پائی اے — (۱۴) گھونگٹ اوہلے نہ لُک سجنا
(۱۵) مل لو سہیلڑیو — (۱۶) مُنہ آئی بات نہ رہندی اے
(۱۷) مولا آدمی بن آیا — (۱۸) میں اڈیکاں کر رہی
(۱۹) میرے تیرے قربان — (۲۰) میں چوہر یڑی آں
(۲۱) میں کسنبڑا چُن چُن ہاری — (۲۲) مینوں لگڑا عشق
(۲۳) واہ واہ رمز سجن دی — (۲۴) ہندو نہیں نہ مسلمان
(۲۵) ہن کس تھیں آپ چھپائیدا — (۲۶) ہن میں لکھیا سوہنا یار

علی اکبر عباس کا منظوم ترجمہ بلاشبہ کامیاب ترین ترجمہ ہے مگر ایک غیر جانبدار نقاد کمزور پہلوؤں کو بھی بیان کرتا ہے کیونکہ خوبیاں اور خامیاں مل کر ہی رنگ و روپ نکھارتی ہیں چنانچہ دوران مطالعہ کچھ قابل اصلاح پہلو بھی سامنے آئے ہیں۔ ذیل میں ان کی نشاندہی کی جاتی ہے۔

(۱) پنجابی متن: سبھے چھڈ چھڈ گئے اڈمبر، کوئی ایتھے پائیدار نہیں (ص:۱۳)

اردو ترجمہ: اُڑ گئے سارے چھوڑ چھوڑ کر، کوئی اس جا پائیدار نہیں (ص:۱۴)

''اڈمبر'' سنسکرت کا لفظ ہے ہندی، پنجابی میں بھی مستعمل ہے اس کا مطلب غرور، تکبر، شان و شوکت ہے بعض لوک دنیاوی جاہ مرتبہ اور علائق بھی مراد لیتے ہیں۔ ترجمہ نگار ''اڈمبر'' سے اُڑنا مراد لے رہے ہیں جو درست نہیں ہے۔

(۲) پنجابی متن: اپنا دس ٹکانا، کدھروں آیا، کدھر جانا؟
جس ٹھانے دا مان کریں توں (ص:۱۷)

ترجمہ: اپنا کھوٹھکانہ، کدھر سے آئے، کدھر کو جانا؟
ٹھاٹھ کر جس پر مان کرے تو (ص:۱۸)

شاعر کے نزدیک ''ٹھانہ'' سے مُراد مقام ہے۔ٹھانہ فوج یا پولیس کی چوکی یا پڑاؤ کو کہتے ہیں اور جگہ کے حوالے سے آتا ہے جبکہ مترجم کے نزدیک یہ ''ٹھاٹھ'' رعب اور وقار کے معنوں میں آیا ہے اور یہ بارِ خاطر نظر آتا ہے۔اس کے علاوہ اس کافی میں سے دو مثالیں اور دی جاتی ہیں:

پنجابی متن: کرے چار دیہاڑے چاوڑ
اوڑک توں نے اُٹھ جانا (ص:۱۷)

ترجمہ: چار ہی دن ہیں تان بے سینہ
آخر تونے ہے اُٹھ جانا (ص:۸۱)

''چاوڑ کرنا'' پنجابی محاورہ ہے اور عام بولا جاتا ہے جس کا مطلب بُرے کام کرنے والا، بگڑا ہوا انسان ہوتا ہے۔ترجمہ نگار شاید ''چوڑا'' بمعنی پھیلانا یا تاننا سمجھے حالانکہ اس سے بات نہیں واضح ہوتی۔

(۳) پنجابی متن: راہ پَواں تے دھاڑے، بیلے، جنگل، رکھ، بلائیں
بگھن چیتے، چت مچتے، بگھنے روکن راہیں
تیرے پار جگا دھڑ چڑھیا، کنڈھے لکھ بلائیں (ص:۱۹)

ترجمہ: راہ چلوں تو ڈاکے، صحرا، جنگل، شجر، بلائیں
باگھ اور چیتے جی دہلائیں بھیڑیئے روکن راہیں
تیرا کنارا جگ مگ چمکے اس پر لاکھ بلائیں (ص:۲۰)

مترجم ''دھاڑے'' سے ڈاکے اور ''بیلے'' سے صحرا مراد لے رہے ہیں۔''دھاڑا''

ویران اور خوفناک جگہ کو کہتے ہیں جبکہ ''بیلا'' دریا کے کنارے خودرو جھاڑیوں اور درختوں والا جنگل ہوتا ہے۔ دوسرے، مصرعے میں ''بگھنے'' سے مراد بھیڑیا لیا ہے جبکہ اس سے مراد شیر کا بچہ ہے۔اس طرح جگا دھڑ (درست لفظ جگا دھر) سے مراد خوفناک سیلاب اور طوفان ہے جبکہ ترجمہ نگار اس سے ''کنارہ جگ مگ چمکے'' مراد لیتے ہیں۔

(۴) پنجابی متن: سچّیاں نوں پئے ملدے دھکے، جھوٹے کول بہائے
اگلے ہو کنگالے بیٹھے، پچھلیاں فرش وچھائے
بھوریاں والے راجے کیتے، راجیاں بھیک منگائے (ص:۳۳)

ترجمہ: سچوں کو دھکے ملتے ہیں جھوٹے کو جگ پاس بٹھائے
خاص تھے جو کنگال سوئے اور عامیوں نے ہیں فرش بچھائے
منحوسوں سے راج کرائے، راجوں سے ہے بھیک منگائے (ص:۳۴)

اس بند کے دو مصرعوں میں بلھے شاہ تاریخی انقلاب کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ کس طرح پہلی یا اگلی نسل (بادشاہوں یا امرا کی) اپنی بداعمالیوں اور کج ادائیوں کی بنا پر کوڑی کوڑی کے محتاج ہو جاتے ہیں اور بعد میں آنے والی نسلیں پستی میں گر کر اوج ثریا سے تحت الثری یا پھر زمین پر آ بیٹھتے ہیں، مقام کھو بیٹھتے ہیں۔''بھوریاں والے'' سے سکھ مسلیں یا سکھ بطور قوم مراد ہیں جو مغل زوال کے بعد لاہور کے حکمران بنے۔ترجمہ نگار اس حقیقت کو واضح نہیں کر پائے۔

(۵) پنجابی متن: کوئی جو سدّ پیونیں گجّھی، وسریا گھربار (ص:۴۹)

ترجمہ: کوئی چوٹ پڑی جب گہری بھول گیا گھربار (ص:۵۰)

''سدّ'' بمعنی آواز نہ کہ ''چوٹ'' ضرب یعنی جب دنیاوی مصروفیات میں پھنس کر غافل ہونے والے انسان کو ''کوچ'' کا آوازہ پڑتا ہے تو صرف وہی سنتا ہے (گھجی یعنی سربستہ) اس سے چوٹ یا ضرب مراد نہیں ہے۔

(۶) پنجابی متن: گھمّن گھیر نہ ٹانگھ ٹکانا، رورو چھاٹاں تلیاں
مُنہ مکٹ، متھے تِلک لگاوے، جے ویکھے تاں بھلی آں (ص:۵۳)

ترجمہ: بھنور بڑے، چڑھتی طغیانی، رورو ملوں ہتھیلیاں ہائے
سر ڈھانپیں اور تلک لگائیں، گر دیکھیں بگڑی بن جائے (ص:۵۴)

''ٹانگھ ٹکانا'' سے ''جائے پناہ'' مراد ہے یعنی بھنور میں پھنسے ہوئے کے لیے بچاؤ کی صورت نہیں ہے۔ درد جدائی میں آنسو بہائے تو فراق کی گرمی سے جلتا ہوا پانی موجوں کی صورت مجھے گرم تیل میں مچھلی کی طرح تل رہا ہے۔ ''مُکٹ'' سے مراد شاہانہ تاج ہے اور ''تلک لگانا'' ہندو مت میں کامیابی یا خوبصورتی کا نشان ہے یعنی میرا محبوب مجھے تاج پہنا کر اور تلک لگا کر پسندیدہ نظروں سے دیکھے تو میں چنگی بھلی ہوں بصورتِ دیگر ناکام و مراد ہوں۔

(۷) پنجابی متن: بھگوا بھیس گسائیں دا کنگن، چوڑا باہیں دا (ص:۸۵)
ترجمہ: بھگوا بھیس لباس کا ہے کنگن چوڑا اِک راس کا ہے (ص:۸۶)

''گسائیں'' سے مراد جوگیا رنگ کے کپڑے پہننے والے سادھو سنت اور جوگی ہیں۔ ''بھگوا بھیس لباس کا'' سے بات مبہم ہو جاتی ہے۔ کنگن چوڑا ''باہیں'' یعنی بازوؤں میں پہنا جاتا ہے اس کے لیے ''راس'' بے محل ہے۔

(۸) پنجابی متن: جس جاتا تِس جان لیا، تے ہوئے جھُر مور (ص:۱۳۵)

ترجمہ: جس نے جانا جان لیا، باقی کو اور نہ چھور (ص:۱۳۶)

''مُور کا جھُرنا'' یعنی اپنے پاؤں دیکھ کر افسوس کرنا۔ یہ تمثیل ان لوگوں کے لیے استعمال ہوتی ہے جو صحیح حقیقت جان لیتے ہیں پھر اپنی کم مائیگی پر جھُرتے رہتے ہیں یعنی کف افسوس ملتے رہتے ہیں۔ ترجمہ نگار نے ''اور نہ چھور'' غلط ترجمہ کیا ہے۔

(۹) پنجابی متن: گنڈھ پہلی نوں کھول کے میں بیٹھی برلاواں
جس اپنا آپ ونجا لیا سو سُر جن والی (ص:۱۷۳)

ترجمہ: میں پہلی گرہ کو کھول کے خود کو بیٹھی سمجھاؤں
جس اپنا آپ گنوا دیا سو سہرے اُس کے سر ہیں (ص:۱۷۴)

''برلاواں'' کا مطلب مشکل کی وجہ سے گھبرا جانا ہے۔ یہ پنجابی محاورہ ہے ''برل پے جانا'' کسی کا پریشان یا گھبراہٹ کا شکار ہو جانا اس لیے ''بیٹھی سمجھاؤں'' غلط ہے۔ اسی طرح ''سرجن والی'' سے مراد اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ اور دوست ہونا ہے۔ ''سُر جنہار'' تخلیق کرنے والے مالک حقیقی اللہ تعالیٰ کو کہتے ہیں ہندی اور قدیم پنجابی کا لفظ ہے۔

ان تمام ترجمہ نگاروں کی ایک مشترک خوبی یہ ہے کہ کسی نے بھی ترجمہ کرتے ہوئے ہئیت میں تبدیلی کی کوشش نہیں کی۔ اسی لیے بعض مقامات پر قافیے اور ردیف کو نبھانے کی جستجو نظر آتی ہے اور یہ جستجو اکثر اوقات بہت کامیاب ثابت ہوتی ہے۔ کافی کی الگ سے کوئی ہئیت نہیں وہ کسی بھی ہئیت میں لکھی جا سکتی ہے۔ بلھے شاہ کے ہاں کافی کے لیے جو ہئیتیں استعمال ہوئیں وہ اردو میں بھی مستعمل تھیں لہٰذا ترجمہ کرنے والوں کے لیے یہ سہولت رہی کہ انھیں اس ہئیت میں تبدیلی نہیں کرنا پڑی۔ بلھے شاہ کی زبان چونکہ اردو زبان کے بہت ہی قریب ہے۔ اس لیے اس کو ترجمہ کرتے ہوئے قافیہ ردیف کا التزام رکھنا ترجمہ نگاروں کے لئے ممکن ہوا اور اس امتحان میں وہ جس خوبی اور حُسن سے پورے اُترے اس کی داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ احساس بھی ہوتا ہے کہ پنجابی سے ناواقف قارئین جن کے کے لیے یہ ترجمے کیے گئے وہ بعض جگہ صرف اردو ترجمے پر بھروسا کر کے گمراہ ہوتے بھی نظر آتے ہیں۔

حواشی وحوالہ جات

* محمود الحسن بزمی، استاد، شعبۂ پنجابی، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، لاہور۔

(۱) نذیر احمد، ''تعارف'' بُکل ترجمہ سرور مجاز (لاہور: حلقہ کتاب، س ن)، ۲۔

(۲) کلام بلھے شاہ کے منظوم اردو تراجم کی فہرست:

الف سرور مجاز، بُکل (بابا بلھے شاہ کی کافیوں کا منظوم اردو ترجمہ) (لاہور: حلقہ کتاب، س ن) کل صفحات: ۱۲۸۔

ب عبدالمجید بھٹی، کافیاں بلھے شاہ: منظوم اردو ترجمہ (اسلام آباد: لوک ورثہ کا قومی ادارہ، جون ۱۹۷۵ء) کل صفحات: ۳۱۷۔

پ علی اکبر عباس، بلھے شاہ کا کلام (لاہور: پنجاب کونسل آف دی آرٹس، اگست ۱۹۸۹ء) کل صفحات: ۱۷۶۔

ت شفقت تنویر میرزا، ''نین سیج'' ماہ نو (مارچ ۱۹۵۶ء): ۳۰۔

ٹ حفیظ ہوشیار پوری، ''بلھے شاہ کی ایک کافی'' خیابان پاک (کراچی: ادارہ مطبوعات، ۱۹۵۶ء)، ۸۰۔

ث شہاب رفعت، ''بلھے شاہ کی ایک کافی'' خیابان پاک (کراچی: ادارہ مطبوعات، ۱۹۵۶ء): ۷۹۔

ج شفیع عقیل، ''بلھے شاہ کی دو کافیاں'' پنجاب رنگ (پنجابی کے قدیم شعرا کے تراجم) (لاہور: مرکزی اردو بورڈ، ستمبر ۱۹۶۸ء)، ۱۵۰-۵۴۔

چ شریف کنجاہی، ''بلھے شاہ کی ایک کافی'' پنجابی شاعری سے انتخاب مع منظوم اردو ترجمہ (اسلام آباد: اکادمی ادبیاتِ پاکستان، ۱۹۸۳ء)، ۴۰، ۴۱۔

(۳) کلام بلھے شاہ کے نثری تراجم اور دیگر شرحیں مندرجہ ذیل ہیں:

الف فقیر محمد فقیر، کلیات بلھے شاہ (لاہور: پنجابی ادبی اکیڈمی، ۱۹۶۰ء)۔

ب سید نذیر احمد، کلام بلھے شاہ (لاہور: پیکجز لمیٹڈ، ۱۹۷۶ء)۔

پ شریف صابر، بلھے شاہ مکمل کافیاں (لاہور: سید اجمل حسین میموریل سوسائٹی، ۱۹۹۱ء)۔

ت محمد آصف خاں، آکھیا بلھے شاہ نے (لاہور: پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، ۱۹۹۲ء)۔

ٹ پروفیسر حمید اللہ شاہ ہاشمی، کافیاں بلھے شاہ (لاہور: تاج بکڈپو، ۱۹۸۸ء)۔

ث ضمیر اظہر، ترجمہ: ارشادات بلھے شاہ (اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۱۹۸۷ء)۔

ج جے۔آر۔پوری/ٹی۔آر۔شدکاری، ترتیب وترجمہ سائیں بلھے شاہ (لاہور: فکشن ہاؤس، ۱۹۵۵ء)۔

(۴) احمد، ''تعارف'' ۸۔

(۵) احمد، ''تعارف'' ۱۲۔

(۶) احمد، ''تعارف'' ۱۷۔

(۷) عبدالمجید بھٹی، ابیاتِ سلطان باہو (منظوم ترجمہ) (کراچی: انجمن ترقی اُردو، ۱۹۶۷ء)، ۹۔

(۸) اشفاق احمد، بلھے شاہ کا کلام، ترجمہ علی اکبر عباس (لاہور: پنجاب کونسل آف دی آرٹس، ۱۹۸۹ء)، ۸۔

(۹) علی اکبر عباس، ترجمہ بلھے شاہ کا کلام (لاہور: پنجاب کونسل آف دی آرٹس، ۱۹۸۹ء): ۷۔

کتابیات

اظہر، ضمیر۔ ترجمہ ارشادات بلھے شاہ۔ اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۱۹۸۷ء۔

احمد، اشفاق۔ بلھے شاہ کا کلام، ترجمہ علی اکبر عباس۔ لاہور: پنجاب کونسل آف دی آرٹس، ۱۹۸۹ء۔

احمد، نذیر۔ ''تعارف'' بُکل ترجمہ سرور مجاز۔ لاہور: حلقہ کتاب، س ن۔

احمد، نذیر۔ کلام بلھے شاہ۔ لاہور: پیکجز لمیٹڈ، ۱۹۷۶ء۔

بھٹی، عبدالمجید۔ ابیاتِ سلطان باہو (منظوم ترجمہ)۔ کراچی: انجمن ترقی اُردو، ۱۹۶۷ء۔

بھٹی، عبدالمجید۔ کافیاں بلھے شاہ: منظوم اردو ترجمہ۔ اسلام آباد: لوک ورثہ کا قومی ادارہ، جون ۱۹۷۵ء۔

پوری، جے۔آر۔ اور ٹی۔آر۔ شدکاری۔ ترتیب وترجمہ سائیں بلھے شاہ۔ لاہور: فکشن ہاؤس، ۱۹۵۵ء۔

خاں، محمد آصف۔ آکھیا بلھے شاہ نے۔ لاہور: پاکستان پنجابی ادبی بورڈ ۱۹۹۲ء۔

رفعت، شہاب۔ ''بلھے شاہ کی ایک کافی'' خیابان پاک۔ کراچی: ادارہ مطبوعات، ۱۹۵۶ء۔

صابر، شریف۔ بلھے شاہ مکمل کافیاں۔ لاہور: سید اجمل حسین میموریل سوسائٹی، ۱۹۹۱ء۔

عباس، علی اکبر۔ ترجمہ بلھے شاہ کا کلام۔ لاہور: پنجاب کونسل آف دی آرٹس، ۱۹۸۹ء۔

عقیل، شفیع۔ ''بلھے شاہ کی دو کافیاں'' پنجاب رنگ (پنجابی کے قدیم شعرا کے تراجم)۔ لاہور: مرکزی اردو بورڈ، ستمبر ۱۹۶۸ء۔

فقیر، فقیر محمد۔ کلیات بلھے شاہ۔ لاہور: پنجابی ادبی اکیڈمی، ۱۹۶۰ء۔

کنجاہی، شریف۔ ''بلھے شاہ کی ایک کافی'' پنجابی شاعری سے انتخاب مع منظوم اردو ترجمہ۔ اسلام آباد: اکادمی ادبیاتِ پاکستان، ۱۹۸۳ء۔

مجاز، سرور۔ ترجمہ بُکل (بابا بلھے شاہ کی کافیوں کا منظوم اردو ترجمہ)۔ لاہور: حلقہ کتاب، س ن۔

میرزا، شفقت تنویر۔ ''نین سیج'' ماہ نو (کراچی: مارچ۱۹۵۶ء)۔

ہاشمی، حمیداللہ شاہ۔ کافیاں بلھے شاہ۔ لاہور: تاج بک ڈپو، ۱۹۸۸ء۔

ہوشیار پوری، حفیظ۔ ''بلھے شاہ کی ایک کافی'' خیابان پاک۔ کراچی: ادارہ مطبوعات، ۱۹۵۶ء۔